کیا خطیب جانتا ہے کہ اس کے سامنے موجود سامعین کن پندرہ اقسام
کے ذہن رکھنے والے لوگ ہیں اور وہ خطیب سے کیا چاہتے ہیں؟

خُطبہ کیسے دیں؟

کہ

- سامعین خطیب سے پہلے وقت پر مسجد آئیں۔
- سامعین خطیب کے منتظر رہیں اور اس کی عزت کریں۔
- خطیب کو سننے کے لیے دور دراز سے سفر کر کے آئیں۔
- اور اس سے وہ کچھ حاصل کریں جو عام خطیب سے نہیں ملتا۔

صرف پینتالیس صفحات کی مختصر کتاب

تالیف

ندیم اسلم

اس کتاب کو پڑھنے کے لیے درج ذیل نیٹ ایڈریس پر جائیں:

بسم الله الرحمن الرحيم

خطبہ کیسے دیں؟

فہرست

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى أَشْرَفِ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَعَلیٰ آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِيْنَ.

اگر کسی ادارے کے سربراہ کے سامنے دو شخص بیٹھے ہوں ایک شخص انصاف کے ساتھ ادارے پر تنقید کر رہا ہو اور اس کی خامیاں بیان کر رہا ہو جب کہ دوسرا شخص انصاف کے ساتھ ادارے کی تعریف کر رہا ہو اور اس کی خوبیاں بیان کر رہا ہو تو ان دونوں اشخاص میں سے ادارے کے لیے تنقید کرنے والا زیادہ فائدے مند ثابت ہو گا، بشرطیکہ ادارے کا سربراہ ٹھنڈے دماغ سے غور وفکر کرے۔

اس بات کو اس طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جب کوئی بھی اچھی کمپنی اپنی کوئی گاڑی مارکیٹ میں بھیجتی ہے تو پہلے تو خود اپنے ورکرز کے ذریعے اس گاڑی کو اچھی طرح چیک کرواتی ہے پھر اپنے کسٹمرز کو کہتی ہے کہ اگر آپ ہمیں کمپنی یا گاڑی کی بہتری کے لیے کوئی مشورہ دینا چاہیں یا آپ کو ہماری گاڑی میں کوئی خامی نظر آئے تو ہمیں ضرور آگاہ کریں تاکہ ہم آنے والے دنوں میں اس سے زیادہ بہتر چیز آپ کے لیے پیش کرسکیں۔ اس کام میں کمپنی کا فائدہ ہوتا ہے اس لیے وہ یہ کام کرتی ہے۔

اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ مدارس کے بانی و مہتمم اور مذہبی جماعتیں اپنی اصلاح کے لیے یہ اعلانِ عام کرتیں کہ جو بھی شخص ہم پر یا ہمارے کام کرنے کے طریقوں پر

کسی بھی قسم کی تنقید کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ تا کہ ہم آیندہ دین کے کام میں مزید بہتری لا سکیں۔ لیکن تجربے میں جو بات آئی ہے وہ اس کے بالکل برعکس ہے مذہبی لوگ اپنے اوپر یا اپنی جماعت پر ہلکی سی تنقید بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ کوئی چھوٹی سی بات ہو جو انھیں پسند نہ آتی ہو تو فوراً غصے میں آ جاتے ہیں اسی وجہ سے لوگوں نے انھیں مشورہ دینا اور ان پر تنقید کرنا چھوڑ دیا اس سے دین کی ترقی کا عمل رک گیا۔ حالانکہ اپنے ادارے یا جماعت پر ہونے والی تنقید کو برداشت کرنا تو بہت آسان کام ہے۔ مشکل کام تو اپنے آپ پر تنقید کو برداشت کرنا ہے۔

میں ایک شخص کو جانتا ہوں جس نے اپنے دس بارہ دوستوں میں دورانِ محفل یہ اعلان کیا کہ وہ اس میں پائے جانے والی خامیاں بیان کریں تا کہ وہ اپنی اصلاح کر سکے اور جب اس کے دوست ایک دو خامی سے زیادہ بیان نہ کر سکے تو پھر اس شخص نے بھری محفل میں خود اپنی خامیاں گنوانی شروع کیں۔ اس کام کی وجہ سے اس شخص کے کندھے سے کوئی میڈل نہیں اترا، بلکہ کوئی لگا ہی ہو گا۔ لہٰذا انصاف کے ساتھ تنقید کرنے والے شخص کی عزت کریں اور اس کی تنقید کو اصلاح کا ذریعہ بنائیں۔

یہ کتاب خاص طور پر تو جمعے کے خطبے کے حوالے سے لکھی گئی ہے۔ البتہ اگر میری دوسری کتاب ''عقل سے ایمان، ایمان سے عمل تک'' کے آخری حصے میں موجود تبلیغ اور مبلغ کے متعلق جو معلومات ہیں اسے پڑھ لیا جائے تو ایسا علم تیار ہو جائے گا، جو کہ ہر تقریر و تبلیغ کے لیے فائدہ مند ثابت ہو گا۔

میں میاں منذر عارف اور انجینئر محمد عثمان کا بہت شکر گزار ہوں جنھوں نے اس کتاب کے حوالے سے میرے ساتھ تعاون کیا اللہ تعالیٰ انھیں دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا فرمائے۔ مزید یہ کہ میں محمد اعظم کھوکھر ایڈوکیٹ کا بھی شکر گزار ہوں

جنھوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر اس کتاب پر نظر ثانی کی اور کچھ باتوں کی طرف میری توجہ دلائی اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔ اور ہم سب مسلمانوں کو فرقہ پرستی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

مقدمہ

میں خود مولوی ہوں اور جو ڈیڑھ دو پارے میں نے حفظ یا تجوید سے سیکھے ہیں وہ میں نے مدرسے سے ہی سیکھے ہیں۔ اس لیے میں کبھی بھی مولویوں یا مدرسوں پر تنقید نہیں کرنا چاہوں گا۔ میرے سامنے جب بھی کوئی شخص مولوی پر تنقید کرتا ہے تو میں اسے بولنے کا پورا موقع دیتا ہوں اس کے بعد میں مولوی کی حمایت میں تین چار باتیں کرتا ہوں۔

ایک تو میں یہ کہتا ہوں کہ ہر چیز کا کوئی متضاد ہوتا ہے آپ خود تجویز کریں کہ مولوی کا متضاد کیا ہے پھر مولوی اور اس کے متضاد کے درمیان خود فیصلہ کریں کہ ان میں سے کون بہتر ہے۔

دوسری بات میں یہ کہتا ہوں کہ عام آدمی کی سوچ غلط ہے وہ دوسرے لوگوں میں تو بیسیوں کبیرہ گناہ برداشت کر لیتے ہیں مگر مولوی میں ایک آدھ غلطی بھی برداشت نہیں کرتے وہ ہر مولوی کو صرف اور صرف اولیاء اللہ ہی کی شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

تیسری بات میں یہ کرتا ہوں کہ مولویوں کی تنخواہیں بہت کم ہیں کیا اس معاملے میں عام لوگ مولوی کے ساتھ زیادتی نہیں کر رہے؟

چوتھی اور اہم دلیل میں ایک حدیث سے اخذ کر کے دیتا ہوں (علماء سو والی حدیث) وہ یہ ہے کہ اس میں کچھ شک نہیں اس وقت دنیا کے برے ترین لوگ آپ کو

مولویوں میں ملیں گے۔ لیکن اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ دنیا کے سب سے پاکیزہ اور بہترین لوگ بھی آپ کو صرف اور صرف مولویوں میں ہی ملیں گے، کیونکہ جو شخص اپنے آپ کو آخرت کے حساب کتاب سے آزاد سمجھتا ہے وہ دنیاوی لحاظ سے اچھا شخص تو ہوسکتا ہے لیکن انتہائی اچھا شخص نہیں ہوسکتا۔

یہ باتیں بیان کرنے کا میرا صرف اور صرف یہ مقصد ہے کہ اس کتاب میں میں نے مولویوں پر دو چار جگہوں پر جو تنقید کی ہے وہ اصلاح کے طور پر کی ہے، تاکہ دین اسلام کا فائدہ ہو سکے۔ اگر تنقید کرنا میرا مقصد ہوتا تو میں پوری کتاب میں اسی طرح تنقید کرتا جس طرح میں نے ''مدرسے کا ماحول'' نامی سرخی میں کی ہے جس میں، میں نے لاچار رعایا اور مغرور بادشاہ سلامت جیسے لفظوں کا استعمال کیا ہے۔ اس کے علاوہ میں نے اس کتاب کا نام ایسا رکھنا تھا کہ جو انگلش میں ہوتا ہے اور کوئی مولوی اسے پڑھتا ہی نہ، مزید میں نے جو مدارس کی تعریف کی ہے اور خطباء کے لیے جو دعائیہ کلمات کہے ہیں، وہ بھی نہ کہتا۔ لہٰذا اس کتاب کو پورا پڑھیں اور جہاں آپ کو تنقید نظر آئے اس پر ٹھنڈے دماغ سے غور کریں۔ جو بات آپ کی سمجھ میں آئے اس پر عمل کریں اور جو بات عقل میں نہ آئے اسے چھوڑ دیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے دینی علماء اور دینی جماعتوں کی مدد و راہنمائی فرمائے۔ آمین

دین کی خدمت کے نئے طریقے

نئے طریقوں کے الفاظ میں اس لیے استعمال کر رہا ہوں کہ میں ان طریقوں کو اپنے ذہن کی پیداوار سمجھتا ہوں۔ البتہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ یہ یا اس قسم کی دوسری باتیں کسی اور شخص نے بھی بیان کی ہوں۔ اس موضوع کو بیان کرنے کا میرا بڑا مقصد یہ ہے کہ خطیب کے ذہن میں وسعت پیدا ہو اور وہ دین کی خدمت زیادہ بہتر طریقے سے کر سکے۔ اب میں یہاں مختصر طور پر دین کی خدمت کے ان نئے طریقوں کا ذکر کروں گا یہ طریقے درج ذیل ہیں:

1 اگر میرے پاس ایک ہزار کا نوٹ ہو جو کہ میں مسجد میں دینا چاہتا ہوں اور میرے سامنے دو آپشن ہوں ایک یہ کہ مسجد کی جگہ خریدی جا رہی ہے اور دوسرا آپشن یہ کہ ایک مسجد زیرِ تعمیر ہے تو میں اس ہزار کے نوٹ کو مسجد کی جگہ کی خریداری میں استعمال کروں گا اور اس کی وجہ یہ ہو گی کہ مسجد کی عمارت پچاس سو سال بعد ختم ہو جائے گی اور اس کے ختم ہونے کے بعد میرا ثواب بھی رک جائے گا، جب کہ مسجد کی جگہ قیامت کے قریب تک رہے گی اس طرح میرا ثواب بھی اس وقت تک چلتا رہے گا۔ البتہ یہ چھوٹی سوچ ہے جب کہ اس سے زیادہ فائدے مند اور وسیع سوچ بھی موجود ہے۔

نوٹ: اس بات پر کوئی شخص یہ اعتراض لگا سکتا ہے کہ اگر ہر شخص کی یہی سوچ ہو جائے تو پھر مسجد کی عمارت میں تو روپے لگانے والا کوئی بھی نہ ہو گا۔ اس بحث کا یہ

موقع تو نہیں مگر مختصر طور پر اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی بات تو یہ کہ تمام لوگ ذہنی لحاظ سے کسی ایک پوائنٹ پر متفق ہی نہ ہوں گے اور دوسری بات یہ ہے کہ بالفرض تمام لوگ اس سوچ پر متفق ہو بھی جائیں تو وہ شخص جو ایک ہزار سے زائد چندہ دینے والا ہے وہ آدھا چندہ مسجد کی جگہ کی خریداری میں دے دے گا اور آدھا مسجد کی عمارت میں۔ تیسری بات یہ ہے کہ وہ لوگ جو دین کے معاملے میں مقلدانہ سوچ رکھتے ہیں وہ اپنے علما کے کہنے سے اپنی رائے تبدیل کر لیں گے اور چوتھی بات یہ ہے کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے جب کسی چیز کی ضرورت ہو تو اس کا کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آتا ہے۔

2 اگر کسی شخص کا دوست اس سے ایک بڑی رقم ادھار کے طور پر مانگے اور وہ اسے دین کی طرف سے نیکی سمجھتے ہوئے دے دے تو دونوں کا فائدہ ہو گا ادھار لینے والے کے دنیاوی معاملات ٹھیک ہو جائیں گے اور دینے والے کے اخروی معاملات درست ہو جائیں گے۔ لیکن اگر میں نے اپنے کسی دوست کو ادھار دینا ہوتا تو میں اپنے یو۔سی کے امیر جماعت اسلامی سے رابطہ کرتا اور ان سے کہتا کہ میں اپنے فلاں دوست کو اتنی رقم ادھار کے طور پر دینا چاہتا ہوں وہ رقم آپ مجھ سے لے کر اسے دیں۔ اگر کسی وجہ سے میرا دوست مجھے وہ رقم واپس نہ کرے تو آپ میری جو قانونی معاونت کر سکے کر دینا۔ البتہ اس معاملے میں آپ میرے کسی نفع و نقصان کے ذمہ دار نہ ہوں گے۔ اس طرح ادھار دینے کے درج ذیل فائدے ہوں گے۔ ایک تو وہی ہو گا کہ میرے دوست کے دنیاوی معاملات درست ہوں گے اور میرے اخروی۔ جب کہ دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ ایک اچھی دینی جماعت کا لوگوں میں تعارف ہو گا اور وہ مضبوط ہو گی اور دینی جماعت کے مضبوط ہونے کا مطلب ہے دین کا مضبوط ہونا۔

جماعت اسلامی کا مختصر تعارف:

کیونکہ میں نے جماعت اسلامی کا ذکر کیا ہے اس لیے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ جماعت اسلامی کا انتہائی مختصر سا تعارف کروا دیا جائے۔ جماعت اسلامی پاکستان کی سب سے پہلی واحد مذہبی و سیاسی جماعت ہے جو پاکستان بننے سے پہلے وجود میں آئی۔ اس کے بانی سید ابو اعلیٰ مودودی رحمہ اللہ ہیں۔ جو کہ انتہائی پاک باز، باعمل اور متقی شخص تھے۔ سو سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں اور اپنے دور کے ورلڈ لیول کے چند بڑے مذہبی اسکالرز میں سے ایک تھے۔ جماعت اسلامی واحد جماعت ہے جو فرقہ پرستی سے پاک ہے، واحد ایسی سیاسی جماعت ہے جس میں سب سے اچھی جمہوریت ہے۔ کرپشن سے پاک ہے، جب کہ ان کا رکن وزیر خزانہ بھی رہ چکا ہے۔ یہ جماعت الخدمت فاؤنڈیشن کی شکل میں مختلف نوعیت کے رفاہی کام کر کے انسانیت کی خدمت، ترازو کے نشان پر الیکشن لڑ کر پاکستان کی خدمت اور قرآن و حدیث کے دروس کروا کر دین اسلام کی خدمت کر رہی ہے۔ یہ مولویوں کی جماعت تو نہیں، البتہ بعض مولوی اس جماعت میں شامل ہیں۔ اس وقت پاکستان کی جتنی بھی مذہبی یا سیاسی جماعتیں موجود ہیں ان میں سب سے اچھا آئین اسی جماعت کے پاس ہے۔ اس جماعت کے جماعتی الیکشن کا طریقے کار پوری دنیا میں سب سے اچھا ہے۔ یعنی کوئی بھی شخص الیکشن نہیں لڑ رہا ہوتا ارکانِ جماعت پوری جماعت میں سے جس کو بہتر سمجھیں ووٹ دے سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اول تو کوئی برا شخص اس کا رکن بن نہیں سکتا لیکن اگر کوئی دھوکا دے کر جماعت کی رکنیت حاصل کر بھی لے تو وہ ضلعی لیول کے بڑے منصب تک نہیں پہنچ سکتا۔ اگر چہ اس جماعت کے سب لوگ اولیاء اللہ تو نہیں لیکن ضلعی لیول کے لوگوں میں ایک بڑی تعداد انتہائی نیک لوگوں کی ہے۔ اس جماعت کے دشمن بہت زیادہ ہیں، البتہ چند بڑے دشمن درج ذیل ہیں: امریکہ اور اس کے اتحادی، پاکستانی حکومت اور اپوزیشن میں

موجود سیاسی جماعتیں، تقریباً تمام میڈیا چینلز، فرقہ پرست تمام مولوی اور مذہبی جماعتیں، موجودہ ظالمانہ نظام اور بے دین، بے عمل، بے علم بے وقوف لوگ وغیرہ وغیرہ۔

اس جماعت کا تعارف کروانے کا بڑا مقصد یہ ہے کہ خطباء حضرات اس جماعت سے منسلک ہو کر نہ صرف اپنی دنیاوی علوم اور سیاسی سوجھ بوجھ میں اضافہ کریں گے، بلکہ دین کی خدمت بھی ورلڈ لیول پر کر سکیں گے۔

3 اس وقت ہمارے معاشرے میں امام مسجد کی تنخواہ بہت کم ہے۔ اگر مسجد انتظامیہ کے پاس مسجد کے چندے کی شکل میں معقول حد تک رقم موجود ہو تو انھیں چاہیے کہ امام مسجد کو کاروبار کے لیے رقم دیں جس سے امام مسجد کوئی ایسا کاروبار کر لے کہ اس کا گھر آسانی سے چل سکے۔ اور اس کے بدلے میں امام مسجد کی تنخواہ بند کر دی جائے۔ اس طرح کرنے سے امام مسجد کا گھر آسانی سے چل سکے گا اور مسجد کا یہ فائدہ ہوگا کہ اس کے فنڈ سے امام مسجد کو تنخواہ نہیں دی جائے گی۔

البتہ اس معاملے میں جو سب سے ضروری چیز ہے وہ یہ ہے کہ مسجد انتظامیہ امام مسجد کے کردار، عقل اور مالی پوزیشن سے اچھی طرح واقف ہو یعنی اس کے کردار میں فراڈ، غیر ذمہ داری، جھوٹ اور لالچ وغیرہ کا عنصر نہ ہو۔ عقل ایسی رکھتا ہو کہ کاروبار کو اچھے طریقے سے چلا سکے اور مالی پوزیشن ایسی ہو کہ اگر اسے کاروبار میں نقصان ہو جائے تو اپنا گھر، پراپرٹی یا کوئی اور چیز بیچ کر مسجد کی رقم واپس کر سکے۔ اس کام میں مسجد، مسجد انتظامیہ اور امام مسجد تینوں فائدے میں رہیں گے، نقصان کسی کا بھی نہیں ہو گا۔ اور اگر امام مسجد اپنا ادھار واپس کرنے کے بعد مسجد چھوڑ دے تو یہ بات تو نامناسب ہے مگر کوئی بات نہیں۔ ایک دین دار شخص تنگ دستی سے نکل کر اس پوزیشن میں آ گیا کہ مالی طور پر مسجد اور دین کی خدمت کر سکے۔ مسجد انتظامیہ نیا امام رکھ لے اور اس کے ساتھ بھی یہی کام کرے۔

4 وہ شخص جو زکوٰۃ ادا کرتا ہے اگر وہ شخص اندازے کے مطابق اپنی زکوٰۃ ایک سال پہلے نکال لے تو وہ شخص اس رقم کو پورا سال قرضِ حسنہ کے طور پر استعمال کر سکتا ہے، اب چاہے تو خود یہ کام کر لے چاہے کسی مذہبی جماعت کو یہ رقم ایک سال کے لیے دے دے اور وہ یہ کام کر لے، پھر جب زکوٰۃ دینے کا وقت آئے تو اپنی اس رقم کو پورا کرے، اپنی زکوٰۃ کا حساب لگائے جو کمی بیشی ہو اسے پورا کر کے اپنی زکوٰۃ ادا کرے۔ اس طرح وہ شخص پوری زندگی میں کئی سو افراد کا فائدہ کر سکتا ہے اور اس کے لیے اس نے صرف ایک سال کی زکوٰۃ علیحدہ اور ایڈوانس رکھنی ہے۔ اس کام میں جو ضروری احتیاط ہے وہ یہ ہے کہ جس کو آپ قرض دیں وہ آدمی کردار کا ٹھیک ہو یا پھر اپنے اندر اتنی برداشت پیدا کریں کہ اگر کوئی شخص قرض واپس نہ کر سکے تو اسے وہ رقم معاف کر دیں۔

یہ باتیں میں نے مالی معاملات کے حوالے سے کی ہیں، جبکہ دین کی تبلیغ کے حوالے سے اور بھی بہت سے کام ہیں جن میں عقل کا استعمال کر کے انھیں آسان اور فائدے مند بنایا جا سکتا ہے۔

اسی طرح دین کے مخالف جدید سوچ نئے سوالات پیدا کر کے دین کو نقصان بھی پہنچا سکتی ہے، اس کی دو تین مثالیں درج ذیل ہیں:

1 انسان اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا، اس کی کئی وجوہات بیان کی جاتی ہیں، اس بحث کو نظر انداز کرتے ہو، اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا انسان ابلیس کو دیکھ سکتا ہے؟ اب اگر جواب یہ ہے کہ دیکھ سکتا ہے تو پھر عقل یہ کہتی ہے کہ اتنی بڑی انسانی آبادی میں سے کسی نہ کسی کے ساتھ تو اس کی ملاقات ہوتی روزانہ نہ سہی سال میں ایک بار ہی سہی۔ اور اگر جواب یہ ہے کہ انسان ابلیس کو نہیں دیکھ سکتا تو پھر اگلا سوال یہ ہے کہ کیوں نہیں دیکھ سکتا، قرآن و حدیث سے دلیل دے کر ثابت کریں۔

② ابلیس کی نسل کیسے بڑھتی ہے؟ اس میں نر و مادہ اور بچوں کی پیدائش کا کیا طریقہ کار ہے؟ کیا اس کی اولاد میں سے کوئی ہدایت بھی پا سکتا ہے یا نہیں؟ ان کی خوراک کیا ہے اور وہ اسے کیسے حاصل کرتے ہیں؟ ان کی آبادی انسانوں سے کم ہے یا زیادہ؟ ان کی عمریں کتنی ہوتی ہیں؟ ان میں بڑھاپا آتا ہے یا نہیں؟ ان میں موت آتی ہے یا نہیں؟ ان کی تدفین کیسے اور کہاں کی جاتی ہے؟ ان کے مرنے کے بعد ان کی قبریں دریافت کر کے انھیں مردہ حالت میں دیکھا جا سکتا ہے یا نہیں، وغیرہ وغیرہ۔ ان سوالات کے جوابات قرآن و حدیث سے دیں۔

③ انسانوں کی ہدایت کے لیے پیغمبر انسان ہی آتا ہے۔ جنوں کی ہدایت کے لیے پیغمبر جنوں میں سے ہی ہونا چاہیے۔ جنوں کی کون سی الہامی کتابیں ہیں؟ اگر انسانی پیغمبر نے ہی جنوں کو تبلیغ کرنی ہوتی ہے تو پھر پیغمبروں نے یہ کام کس وقت اور کس کس طریقے سے سرانجام دیا؟ اس میں کامیابی کا کیا تناسب رہا؟ جنوں میں انسانوں کی طرح بڑے پیمانے پر جنگ و جدل ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتی ہے تو اس کی دلیل کیا ہے؟ اور زمین پر اس کے اثرات کیوں نظر نہیں آتے؟ وغیرہ وغیرہ قرآن و حدیث اور عقلی دلائل سے ثابت کریں۔

اسی طرح کے بے شمار سوالات ہیں جن کے ذریعے دینی معاملات میں خرابی پیدا کی جا سکتی ہے، اسی لیے میں نے علمائے دین کو دین کے مخالف کتابیں پڑھنے کا کہا ہے۔ اس سے ان کے ذہن میں وسعت پیدا ہو گی اور وہ تبلیغی میدان کے اچھے کھلاڑی بنیں گے۔

مولویوں اور عام لوگوں کی اقسام

اس وقت ہمارے معاشرے کی تقریباً دو فیصد تعداد مکمل طور پر مدارس سے منسلک ہے۔ اور یہ ہیں مدرسے کے طلباء اور استاد۔ مزید دو فیصد تعداد ایسی ہے جو کہ مکمل طور پر ان کے زیرِ اثر ہے۔ اس کے برعکس سکول و کالج سے مکمل طور پر منسلک لوگوں کی تعداد تقریباً ساٹھ فیصد ہے۔ اور باقی کے بچنے والے لوگوں کی اکثریت انہی کے زیرِ اثر ہے۔ اس لیے ہمارے معاشرے میں غلبے کے لحاظ سے سکول و کالج آگے ہے۔ اور اس کی بڑی وجہ حکومت ہے جس نے تمام سرکاری ملازمتیں دنیاوی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لیے رکھی ہیں اور دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لیے کوئی ملازمت نہیں رکھی۔ اس وجہ سے تمام لوگوں کا رخ اسی تعلیم کی طرف ہو گیا۔ اس پر مزید بات آگے چل کر ہو جائے گی۔ فی الحال میں یہاں مولویوں اور عام لوگوں کی کچھ اقسام بیان کرنا چاہوں گا۔

مولویوں کی اقسام:

میں سب سے پہلے یہی ضروری سمجھتا ہوں کہ مدارس کے لحاظ سے اور مولویوں کے کردار کے لحاظ سے میں مولویوں کی دو بڑی اقسام کے متعلق کچھ آگاہی خطیب کو دوں تاکہ اسے معلوم ہو کہ وہ کس کیٹیگری میں ہے۔ مدارس کے لحاظ سے مولویوں کی ایک قسم تو ایسی ہے کہ وہ عام لوگوں کو قرآن و حدیث نہیں پڑھنے دیتے، کہتے ہیں کہ

اگر آپ نے اسے ترجمے کے ساتھ پڑھا تو آپ گمراہ ہو جائیں گے۔ فرقہ پرستی پھیلاتے ہیں، عام آدمی کو فرقوں پر تحقیق نہیں کرنے دیتے اور نہ خود تحقیق کرتے ہیں اپنے فرقے اور اس کے چند ملاؤں کی کتابوں تک محدود ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

مدارس کے لحاظ سے دوسرے خطیب ان معاملوں میں ان کے برعکس میں یعنی وہ قرآن و حدیث کی طرف عام لوگوں کو رغبت دلاتے ہیں، خود بھی قرآن و حدیث کو بنیاد بنا کر تحقیق کرتے ہیں اور عام لوگوں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں۔ اپنے فرقوں کے ملاؤں کی کتابیں تو شوق سے پڑھتے ہیں مگر انھیں حرفِ آخر نہیں سمجھتے۔ فرقہ واریت کو ہوا تو نہیں دیتے مگر خود فرقہ بندی میں مبتلا ہوتے ہیں، البتہ ان کی ۲۵ فیصد تعداد ایسی ہے جو فرقہ بندی والے گناہ سے بچ کر خالص دین کی تبلیغ کرتے ہیں۔

جہاں تک کردار کا معاملہ ہے تو اس میں فرقے کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا، کردار ہر مولوی کا اپنا ذاتی ہے۔ جن خطباء نے دین کو پیشے کے طور پر اختیار کر رکھا ہو، کثرت سے چندے کا اعلان کرتے ہوں، لالچی ہوں اور جھوٹ بولتے ہوں، یہ برے خطیب ہیں اور ان کی وجہ سے لوگ دین اسلام، مدرسوں اور ان علمائے کرام سے بھی نفرت کرتے ہیں جو کہ انتہائی نیک اور اچھے ہیں۔

ان کے برعکس جو اچھے کردار والے خطیب ہیں ان کی نشانی یہ ہے کہ ایک تو ان میں یہ خرابیاں نہیں ہوتیں اور دوسرا یہ کہ وہ سادگی پسند ہوتے ہیں، ان کی اپنی نفلی نماز اس فرضی نماز سے لمبی ہوتی ہے جس کی یہ امامت کروا رہے ہوں۔

مولویوں کے حوالے سے عام لوگوں کی اقسام

مولویوں سے نفرت یا لگاؤ رکھنے کے لحاظ سے عام لوگوں کی چار اقسام ہیں، جو درج ذیل ہیں:

① بے عمل اور ان پڑھ:

یہ وہ لوگ ہیں جو صرف اس لیے مسلمان ہیں کہ ایک تو یہ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے اور دوسرا مسلمانوں کے معاشرے میں رہے۔ موروثی طور پر کلمہ پڑھنے کے علاوہ نہ تو یہ دین کے کسی فرض کو پورا کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے پاس دین کے متعلق کوئی علم ہوتا ہے۔ اور نہ ہی انھیں ان چیزوں سے کوئی دلچسپی ہوتی ہے۔ یہ لوگ اگر عیسائیوں کے گھر پیدا ہوتے ہیں تو عیسائی ہوتے اور اگر ہندوؤں کے گھر پیدا ہوتے تو ہندو ہوتے۔ ان لوگوں کی نصف تعداد بغیر کسی معقول دلیل کے مولویوں کی عزت کرتی ہے اور ان کی باقی نصف تعداد بغیر کسی معقول دلیل کے مولویوں سے نفرت کرتی ہے۔ ان کے پاس اگر کوئی دلیل ہو بھی تو وہ چند سنی سنائی باتیں ہوتی ہیں جن میں سے بعض سچی ہوتی ہیں اور بعض جھوٹی۔

② مقلدانہ سوچ والے:

لوگوں کی یہ قسم جذباتی اور بے وقوف لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ان کے پاس آنکھیں، کان اور عقل تو ہوتی ہے مگر اس کا استعمال نہیں کرتے۔ اور عام طور پر یہ لوگ کسی نہ کسی مذہبی شخص یا مذہبی ادارے کے زیر اثر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے فرقے کے مولویوں کی تو بہت زیادہ عزت کرتے ہیں، جب کہ دوسرے فرقوں کے مولویوں سے بہت زیادہ نفرت کرتے ہیں۔

③ دنیاوی لحاظ سے علم وعقل رکھنے والے:

یہ لوگ دنیاوی لحاظ سے بہت عقل مند ذہین ہوتے ہیں اور دنیاوی علوم بھی رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کی بڑی تعداد دین سے دور ہی ہوتی ہے اور کسی فرقے سے تعلق نہیں رکھتے۔ یہ تمام فرقوں کے تمام مولویوں سے سخت نفرت کرتے ہیں۔ اس کی کئی

وجوہات ہیں، البتہ بڑی وجہ فرقہ واریت اور اپنے دین میں شکوک وشبہات کا ہونا ہے۔

④ دنیاوی علم رکھنے والے دینی لوگ:

یہ لوگ نہ صرف دینی و دنیاوی لحاظ سے بہت عقل مند و ذہین ہوتے ہیں، بلکہ دینی و دنیاوی علوم کی بھی اچھی خاصی مقدار رکھتے ہیں۔ یہ لوگ دین پر عمل کرنے والے ہوتے ہیں، یہ ان علماء کی تو بہت عزت کرتے ہیں جو فرقہ پرستی سے آزاد ہو کر خالص دین کے لیے کام کرتے ہیں اور ان ملاؤں سے سخت نفرت کرتے ہیں جو فرقہ واریت کو ہوا دیتے ہیں۔

یہ تو ہو گئیں مولویوں اور عام لوگوں کی اقسام، اور اب میں مدارس کے ماحول کے متعلق کچھ پوائنٹ تحریر کرنا چاہوں گا۔

مدارس اور ان کے ماحول کے متعلق

یہاں میں مدارس کے ماحول کے متعلق کچھ ضروری باتیں تحریر کرنا چاہوں گا۔

① مدارس کی فنڈنگ:

ایک اجتہادی مسئلہ ہے کہ جس مدرسے میں ایسے سٹوڈنٹ پڑھتے ہوں جو کہ اپنے گھر نہیں جا سکتے۔ دن رات مدرسے میں ہی رہتے ہیں اور وہیں کھانا کھاتے ہیں تو زکوٰۃ صرف انہی مدرسوں کو دی جا سکتی ہے اور جن مدارس میں ایسے سٹوڈنٹ نہ ہوں، ان مدارس کو نفلی صدقہ یا خیرات دی جا سکتی ہے، مگر زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔ اس وجہ سے مدرسے کا بانی و مہتمم اپنے مدرسے میں ضرور کچھ نہ کچھ ایسے طالب علم رکھتا ہے۔ اس سے اسے زکوٰۃ کا پیسہ تو مل جاتا ہے مگر مدرسے کے ماحول میں بہت ساری خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

1. پردیس میں رہنے والا طالب علم معاشرے سے کٹ جاتا ہے جس سے اس کے اندر کچھ ایسی عادات پیدا ہو جاتی ہیں جنھیں معاشرے میں برا سمجھا جاتا ہے۔ نہ تو یہ طالب علم لوگوں کے مزاج سے آشنا ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے علم اور عقل سے استفادہ کر سکتے ہیں۔
2. اس ماحول کی وجہ سے مدرسوں میں ہوموسکچول سیکس (ہم جنس پرستی کا سیکس) کے واقعات بھی کثرت سے ہوتے ہیں جو دین، مدرسہ اور اچھے علمائے کرام کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں۔ اس سے لوگ دین سے متنفر ہوتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر اس اجتہادی مسئلے کا سہارا چھوڑ دیا جائے تو کیا مدرسوں کا نظام بند ہو جائے گا؟ مساجد کو زکوۃ نہیں لگتی، کیا وہ نہیں چل رہیں؟ دوسرے مذاہب کی عبادت گاہیں نہیں چل رہیں۔ میرے خیال کے مطابق تو ہر مسجد ایک مدرسہ ہو۔ وہاں مقامی طالب علم ہی پڑھیں اور اس کی ٹائمنگ سکولوں کی طرز پر ہی ہو۔ اس سے نہ صرف مدارس کے اخراجات میں کمی آئے گی بلکہ اوپر بیان کی گئی خرابیوں کا بھی سدِ باب ہو جائے گا۔

② مخصوص موضوع:

مدارس میں ایک ہی موضوع یعنی دین پڑھایا جاتا ہے، جسے پڑھ پڑھ کر طلباء اکتاہٹ کا شکار ہو چکے ہوتے ہیں، البتہ چند متقی یا شوق سے پڑھنے والے طلباء کوئی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ پھر ان طلباء کی ایسی ذہن سازی کر دی جاتی ہے کہ جو کتابیں ہم پڑھا رہے ہیں، ان کے علاوہ اور کوئی کتاب پڑھنے کی نہ تو کوئی ضرورت ہے اور نہ ہی فائدہ۔ پھر دینی کتب میں سے بھی اپنے مخصوص فرقے یا مخصوص علماء کی کتابیں پڑھواتے ہیں۔ اس سے طلباء بالکل ہی کنویں کے مینڈک بن جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر فرقے کے طلباء کا بیٹھنا، اٹھنا، عادات، تقریر کا اسٹائل، علم و دلائل اور تماثیل وغیرہ سب ایک جیسی اور سیم سیم ہوتی ہیں۔ پھر ان لوگوں کی اکثریت بطور ایک خطیب کے سال بھر چند مخصوص موضوعات پر ہی بات کرتے ہیں اور بعض فرقوں کے تو دو چار فلکسڈ موضوع ہیں۔ اس پر مزید ظلم یہ کہ بعض خطیب بغیر اچھی تیاری کے جمعہ پڑھاتے ہیں، ان وجوہات کی وجہ سے سامعین اکتاہٹ کا شکار ہوتے ہیں اور ان کی خطیب میں دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔

③ مدرسے کا ماحول:

مدرسے میں استاد اور طالب علم کے درمیان جو تعلق ہوتا ہے وہ لاچار رعایا اور

جابر بادشاہ سلامت کی طرز کا ہوتا ہے۔ اور بادشاہ سلامت کو یہ بات سخت ناگوار ہے کہ اس کی رعایا میں سے کوئی اس کی غلطی نکالے یا اسے کوئی مشورہ دے۔ اول تو مدرسے کے طلباء میں یہ ٹیلنٹ ہوتا ہی نہیں کہ وہ اپنے استاد کی کوئی غلطی نکال سکیں یا اس سے کوئی مشکل اور سخت سوال کرسکیں اور اگر ہزار میں سے کسی ایک بچے میں یہ ٹیلنٹ ہو بھی تو بادشاہ سلامت ایسے بچے کو دو تین بار ڈانٹ کر بے عزت کریں گے۔ جس سے بچے کا یہ ٹیلنٹ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ پھر یا تو وہ طالب علم مدرسہ چھوڑ دے گا یا پھر اپنے استاد کا ایسا مقلد بنے گا کہ فرقہ پرستی کے شرک میں مبتلا ہو جائے گا اور اپنے ملک وقوم میں بطور ایک فسادی کے کام کرے گا۔ اس معاملے میں کالج و یونیورسٹی کا ماحول اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ وہاں ٹیچر اس سٹوڈنٹ کو سب سے زیادہ پسند کرتا ہے جو اس کی غلطی نکالے۔

④ علم کہاں، عقل کہاں؟:

اس میں کچھ شک نہیں کہ دین کا بنیادی علم مدرسوں میں ہے۔ یونیورسٹیوں میں بالکل نہیں۔ اور فرق بہت نمایاں ہے، یہاں تک کہ ایم۔اے اسلامیات کرنے والوں کی اکثریت صحیح طریقے سے قرآن بھی نہیں پڑھ سکتی۔ اور یہی معاملہ دین کے عام علم کا ہے۔ البتہ دین کا وہ ہائی علم جو ہر مبلغ کے پاس ہونا چاہیے وہ آج کے مدرسوں سے نہیں مل رہا، لیکن اگر کسی مدرسے کا طالب علم اس علم کو حاصل کرنا چاہے تو اس کے لیے کوئی مشکل نہیں، بس فرقہ پرستی چھوڑ کر ایسے مذہبی اسکالرز کو سنے جو یونیورسٹی بھی پڑھے ہوں اور مدرسہ بھی پڑھے ہوں، آج کے دور میں تو یہ کام انٹرنیٹ نے بہت ہی آسان کر دیا ہے۔

دوسری طرف اگر یہ بات کی جائے کہ عقل کہاں ہے؟ تو اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ صرف یونیورسٹیوں میں ہے، مدرسوں میں نہیں۔ سائنس اور فلسفے کو یہیں

سے ترقی مل رہی ہے۔ اس لیے جب بھی کسی یونیورسٹی کے سٹوڈنٹ نے دینی علم حاصل کیا۔ تو وہ نہایت ہی اچھا خطیب بن گیا، لوگ اسے بہت پسند کرتے ہیں، اس کی عزت کرتے ہیں، اسے ملنے کے لیے لوگ لمبے لمبے سفر کرتے ہیں۔ اور وہ خطیب اکیلا دین کا اتنا کام کر جاتا ہے کہ مدرسوں سے فارغ ہونے والے ایک ہزار عالم بھی دین کا اتنا کام نہیں کر پاتے، جیسے ڈاکٹر اسرار احمد، سید ابو اعلیٰ مودودی، ڈاکٹر ذاکر نائیک اور نعمان علی خان وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ موجودہ دور میں دین کی ترقی کا کام اللہ تعالیٰ نے یونیورسٹیوں سے فارغ ہونے والے مذہبی اسکالرز سے ہی لیا ہے تو غلط نہ ہو گا۔ مدرسے کے علما دین کی ترقی کے لیے ایک ہی بڑا کام کر سکتے ہیں اور وہ ہے دین کی معتبر کتابوں کو اپنی زبان میں ٹرانسلیٹ کرنا۔

اگر یہ عقل اور علم ایک جگہ اکٹھا ہو جائے تو دین کی تبلیغ نہایت پر اثر ہو جائے گی۔ اس معاملے میں مدرسہ انتظامیہ کو ایک تو یہ چاہیے کہ روزانہ کا ایک لیکچر اپنے مدرسے میں کسی یونیورسٹی کے پروفیسر کا رکھیں جس سے مدرسے کے طلباء اور استاد دونوں استفادہ کریں۔ پھر لیکچر کی ترتیب بھی یہ بنائیں کہ ہر سال چار چار ماہ کے لیے تین لیکچرار باری باری آئیں تاکہ زیادہ لیکچرار کے علم و عقل سے استفادہ کیا جائے۔

اس کے علاوہ ہر مدرسے کو چاہیے کہ اپنی انتظامیہ میں یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ان لوگوں کو شامل کرے جن کی عمریں چالیس سال سے زائد ہوں اور اس انتظامیہ کا کام دین کی تبلیغ کے لیے نئے اور بہتر طریقے تلاش کرنا ہو۔ اس انتظامیہ سے چندہ نہ اکٹھا کروایا جائے۔ پھر اگر یہ انتظامیہ کوئی مشورہ دے تو یا تو اسے قبول کرنا چاہیے یا پھر اچھے عقلی دلائل سے اس کا رد کیا جائے۔ مغرور بادشاہ سلامت بن کے بے وقوفوں کی طرح بغیر کسی مضبوط دلیل کہ کسی بات کو رد نہیں کرنا چاہیے، کیوں کہ اگر یہی کام کرنا ہے تو پھر انتظامیہ بنانے کا تو کوئی مقصد ہی نہیں۔

میرے خیال کے مطابق اگر اس طرح کے دو چار کام کر لیے جائیں تو موجودہ دور کے مدارس کو وہ علمی اور عقلی ترقی مل جائے گی جو کہ کافی عرصے سے رکی ہوئی ہے۔

نوٹ: یہاں میں نے دین کے لیے علم کا جو لفظ استعمال کیا ہے وہ میں نے عام بول چال اور عام لوگوں کے ذہن کے مطابق استعمال کیا ہے، حقیقت میں دینی علم سے مراد اللہ تعالیٰ کا خوف ہے، یعنی اگر کسی مولوی کے پاس علم ہے مگر اللہ کا خوف نہیں تو اس کے لیے عالم کا لفظ استعمال نہیں ہوگا۔

⑤ نصابِ تعلیم:

مدارس کے نصابِ تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اس وقت مدرسہ آٹھ سال میں عالم تیار کر رہا ہے۔ اس تعلیم پر کوئی بھی سرکاری یا نیم سرکاری نوکری نہیں ملتی۔ اس وجہ سے اس کی زندگی کے تمام دنیاوی معاملات میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ جو علم وہ وہاں سیکھتا ہے اس کی مقدار بھی کم ہوتی ہے۔ عام مطالعہ کرنے والے کا علم ان سے زیادہ ہوتا ہے اور تبلیغی علم کی مقدار تو کچھ بھی نہیں ہوتی جو کچھ مدارس میں آٹھ سال میں طالب علم سیکھتا ہے اس سے کہیں زیادہ علم ایک سال میں سیکھایا جا سکتا ہے یا زیادہ سے زیادہ دو سال میں اور اس کے لیے وقت بھی صرف سکول ٹائم کا ہی چاہیے۔ چوبیس گھنٹے مدرسے میں رہنے کی ضرورت نہیں، لیکن اس کے لیے فرقہ پرستی سے باہر نکل کر تھوڑی محنت کرنی پڑے گی۔ علم و عقل اور مشورے سے نیا نصاب ترتیب دینا پڑے گا۔ یہ کام اگرچہ آسان ہے مگر مدارس میں پڑھنے اور پڑھانے والوں کے لیے ناممکن ہی ہے۔

⑥ مدرسے کے طلباء کے مالی معاملات:

مدرسوں میں پڑھنے والے زیادہ تر طلبا کا تعلق غریب گھرانے سے ہوتا ہے۔

پھر مدرسوں سے فارغ ہوتے ہیں تو فوراً ہی ان پر گھریلوں ذمہ داریاں آجاتی ہیں۔ جنرل ضیاء الحق نے مدرسوں کی اسناد کو کالج کی اسناد کے برابر کا درجہ تو دلوا دیا مگر یہ کام ایک قانونی شق جو صرف لکھی جاتی ہے اس سے زیادہ کچھ نہ ثابت ہوسکی حق تو یہ تھا کہ جس طرح مختلف طبقات مثلاً: عورت، اپاہج اور خواجہ سراؤں کے ملازمتوں میں کوٹے رکھ کر کچھ فیصد ملازمتیں انھیں ہی دی جاتی ہیں۔ یہی معاملہ مدرسوں کے طلبا کے ساتھ ہوتا تو ان اسناد کا صحیح طور سے فائد ہوتا۔ دین ملک کے ہر چھوٹے بڑے محکمے میں داخل ہو جاتا، مدرسوں کے طلبا کی تعداد میں اضافہ ہوتا، مدرسوں کے استادوں کی عزت و احترام میں اضافہ ہوتا اور سب سے بڑھ کر یہ سرکاری ملازمت ان طلبا کا حق ہے وہ انھیں ملتا اور ان کے دنیاوی مالی معاملات اور مستقبل ٹھیک ہوتا۔ اب ہماری حکومت تو دین کے ویسے ہی مخالف ہے یا کم از کم اس سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتی اس لیے وہ تو یہ کام خوشی سے نہیں کرے گی۔ اس کے لیے مدرسے کے طلبا اور اساتذہ کو محنت اور کوشش کرنی ہوگی تبھی انھیں ان کا حق ملے گا۔

⑦ مذہبی پیشواؤں کی زیادتیاں:

ایک وقت تھا کہ دین اور دینی پیشواؤں کے ذریعے ہی سے حکومت اپنے قانون وضع کرتی تھی پھر مذہبی پیشواؤں کے ظلم و زیادتیوں اور فرقہ وارنہ معاملات کی وجہ سے حکومت اور دین علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ آج یورپ میں تو یہ حال ہے کہ دین اور دینی پیشواؤں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ وہ صرف اپنی عبادت گاہوں کی حد تک محدود ہیں۔ عبادت گاہ سے باہر نکل کر وہ کسی عام آدمی کو دین کی دعوت بھی نہیں دے سکتے۔ اب یہی معاملہ مسلم پیشواؤں کے ساتھ ہونے والا ہے۔ اگرچہ اس کی ایک وجہ تو یورپ کی اندھی تقلید ہے مگر اس کی سب سے بڑی وجہ وہ علما اور مدرسے بن رہے

ہیں جو خودکش بمبار پیدا کر رہے ہیں، اگرچہ وہ ایک مخصوص فرقے کا ایک مخصوص گروہ ہی ہے۔ کیونکہ وہ گروہ اس کام کو دین اسلام کا لیبل لگا کر رہا ہے اس وجہ سے دین اسلام کی بدنامی ہو رہی ہے۔ اب اس ظلم کو روکنے کے لیے جتنی کوشش باقی کے مدارس اور علما کو کرنی چاہیے تھی اس کا دسواں حصہ بھی انھوں نے نہ کی۔ اس طرح خاموش تماشائی بن کر کسی نہ کسی شکل میں تمام علما اور مدارس اس گناہ میں حصے دار ہیں سوائے ان کے جنھوں نے اس معاملے میں اپنا حق ادا کیا۔ البتہ یہ مذہبی پیشواؤں کی وہ زیادتیاں ہیں۔ جن کی وجہ سے آنے والے وقت میں لوگ ان سے سخت نفرت کا اظہار کریں گے۔ یہ سب جہالت اور مقلدانہ سوچ کی وجہ سے ہوا کہ چند بے عقل مولویوں نے حرام موت کو شہید کا درجہ دیا اور خودکش بمبار اس دھوکے میں مبتلا ہو گئے۔

⑧ ظاہر پر توجہ:

آج کے مدارس میں ایک بہت بڑی خرابی یہ پیدا ہو گئی ہے کہ تقویٰ اور باطن کی طرف بالکل ہی توجہ نہیں۔ جب کہ ظاہر پر بہت زیادہ سختی کرتے ہیں، یعنی مچھر چھانے جا رہے ہیں اور اونٹ نگلے جا رہے ہیں۔ (انجیل) ان ظاہری معاملات میں بھی سب سے زیادہ سختی وہ ڈاڑھی پر کرتے ہیں۔ جب ظاہری طور پر مذہبی نظر آنے والا شخص غیر متقی ہو گا تو اس میں بہت ساری غلط عادات اور خرابیاں ہوں گی یہ خرابیاں جب عام آدمی دیکھے گا تو وہ مولوی، مدرسے اور دین سے متنفر ہو گا اور اس قسم کے ڈاڑھی والے لوگوں کی وجہ سے ان علمائے کرام اور دینی جماعتوں کا بھی نقصان ہو گا جو کہ فرقہ پرستی سے آزاد ہو کر صحیح معنوں میں دین کا کام کر رہی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جو طالب علم پانچ سات سال مدرسے میں گزارے اس کے اندر تقویٰ لازمی ہو۔ اگر کوئی مدرسہ اپنے سٹوڈنٹ میں تقویٰ پیدا نہ کر سکے تو وہ دینی لحاظ سے مکمل طور

پر نا کام ہے۔ ایسے مدرسہ کے بانی و مہتمم کو چاہیے کہ اپنا مدرسہ کسی کالج و مدرسہ پڑھے کسی مذہبی اسکالر کے حوالے کرے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ ایسا نہیں کرے گا کیونکہ وہ مدرسہ نہیں اس کی فیکٹری ہے اور اس کا اور اس کے گھر والوں کا کھانا پینا اسی سے چل رہا ہے۔ اگر وہ یہ کام نہیں کرتا تو بھی کوئی بات نہیں، لیکن کم از کم یہ تو وہ کر ہی سکتا ہے: ''ان چھوٹے ظاہری معاملات مثلاً: لباس، ڈاڑھی، ٹوپی اور پگڑی وغیرہ پر بھی سختی نہ کرے تاکہ دین کی بدنامی تو نہ ہو۔''

ڈاڑھی رکھنے کو اگر فرض بھی تسلیم کر لیا جائے تو یہ فرض تو بعض علما کے نزدیک ایک ڈیڑھ انچ ڈاڑھی سے بھی پورا ہو جاتا ہے۔ البتہ بڑی ڈاڑھی رکھنا سنت ہے وہ پوری نہیں ہو گی۔ اب جو شخص دین و سنت سے محبت رکھتا ہے یا تو وہ تقویٰ اختیار کرے یا پھر اس دکھاوے والی سنت کو بھی چھوڑ دے ویسے حیرانگی کی بات ہے کہ ایک طالب علم اتنا لمبا عرصہ مدرسہ میں گزارے اور اس کے پاس تقویٰ نہ ہو۔

⑨ مدارس اور یونیورسٹیوں میں پائے جانے والے تضادات:

اس وقت مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں بہت سے تضادات پائے جاتے ہیں۔ ان تضادات میں سے کچھ ایسے ہیں جو مدرسوں کے اچھے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو کہ یونیورسٹیوں کے اچھے ہیں۔ ان میں سے بعض تضادات کا تو میں ذکر کر چکا ہوں اور مزید درج ذیل ہیں:

1. یونیورسٹیوں کا لڑکی اور لڑکوں کا مخلوط ماحول صحیح نہیں، جب کہ مدارس کا ٹھیک ہے۔ یعنی وہاں یہ مخلوط ماحول نہیں۔
2. یونیورسٹی کے پروفیسر دنیاوی علم اور عقل رکھتے ہیں مگر دینی علم بالکل نہیں، جب کہ مدارس کے استاد دینی علم رکھتے ہیں مگر دنیاوی علم اور عقل بالکل نہیں۔
3. مدرسوں کے استاد فرقہ واریت پھیلا رہے ہیں، جب کہ یونیورسٹیوں کے

پروفیسر اسے ختم کر رہے ہیں۔

4 یونیورسٹیوں کے پروفیسر اگر دین کی تبلیغ کریں تو وہ تقویٰ اور باطن کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں ظاہر کی طرف کم جب کہ مدرسوں کے استاد اس کے الٹ کرتے ہیں۔

5 مدرسوں میں پڑھنے والے طلبا کا تعلق غریب گھرانوں سے ہوتا ہے جب یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے طلبا میں سے کثرت طلبا امیر یا متوسط طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

6 اس وقت معاشروں کا مستقبل یونیورسٹیوں کے زیرِ اثر ہے مدرسوں کے نہیں۔

7 مدارس چندے سے چل رہے ہیں۔ جب کہ یونیورسٹیز کاروباری شکل اختیار کر چکی ہیں۔

8 مدارس کے طلبا میں سے کوئی بھی نشے کا عادی نہیں ہوتا یہاں تک کہ سگریٹ بھی نہیں پیتے، جب کہ یونیورسٹیوں میں یہ چیز یعنی نشہ عام ہے۔

9 مدرسہ کثرت سے مقرر بناتا ہے اچھا مبلغ نہیں۔ جب کہ یونیورسٹی اچھا مبلغ بناتی ہے۔ بشرطیکہ خطیب دین کا علم حاصل کر لے۔

10 مدرسوں سے فارغ ہونے والے طلبا نے صرف ایک ہی موضوع یعنی دین کو سٹڈی کر رکھا ہوتا ہے جب کہ یونیورسٹی سے فارغ ہونے والے طلبا نے دین سمیت پندرہ بیس علوم کو سٹڈی کر رکھا ہوتا ہے۔ البتہ دین کا علم ان کے پاس بہت ہی کم ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں زیادہ تر تضادات پائے جاتے ہیں، ان تضادات میں سے اگر اچھی چیزوں کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا جائے تو ایک اچھا طالب علم اور

اچھا نصاب تیار ہو جائے گا۔ جو دین، ملک اور معاشرہ سب کے لیے مفید ثابت ہو گا۔

خطیب کو سامعین کے متعلق معلومات اور ان کا حل:

مدرسوں کی کچھ ضروری معلومات کے بعد اب میں اپنے اصل موضوع کی طرف آتا ہوں۔

سب سے ضروری بات جو کہ ایک ناکام خطیب نہیں جانتا اور جس کا اس کے علم میں ہونا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس کے سامنے تقریباً پندرہ اقسام کے مختلف ذہن و مزاج رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں اور ان سب کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ خطیب وہ بات کرے جو ہم سننا چاہتے ہیں۔ اس علم کو بیان کرے جو ہمارے پاس نہیں اور اس طریقے اور سٹائل سے بیان کرے جو ہمیں اچھا لگے۔ جو بھی خطیب یہ کام کر لے گا وہ لوگوں کو پسندیدہ خطیب ہو گا اور اس کے سامنے لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہو گی اور وہ سب لوگ اس خطیب کی عزت کرنے والے ہوں گے۔ لیکن یہ کام ہر خطیب نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اتنی ساری ڈیمانڈز کو ایک ساتھ بیان کرنا بہت مشکل کام ہے اور یہ کام اس وقت اور بھی زیادہ مشکل ہو جاتا ہے جب سامعین کی پسند میں تضاد آ جائے یعنی کچھ سامعین کو ایک چیز اچھی لگتی ہے جب کہ کچھ سامعین کو وہی چیز بری لگتی ہے۔

میری یہاں یہ کوشش ہو گی کہ ان تمام چیزوں کا ذکر کروں جو کہ خطیب کے لیے ضروری ہیں۔

ایک بڑا مناظر مناظرہ جیتنے کے لیے ضروری سمجھتا ہے کہ مخالف کے دلائل کا بغورِ مطالعہ کیا جائے۔ اس کام کے بغیرہ وہ کبھی بھی اچھا مناظر نہیں بن سکتا۔ البتہ اگر وہ متقی ہو گا تو وہ ایمانداری سے تحقیق و مطالعہ کرے گا اور دورانِ مناظرہ اس کا بڑا مقصد خود حق تک پہنچنا یا لوگوں کو حق تک پہچانا ہو گا۔ مناظرہ جیتنا اس کا مقصد نہیں ہو

گا۔ اس کے برعکس جو غیر متقی مناظر ہو گا وہ بھی اپنے مخالف دلائل کا مطالعہ تو کرے گا لیکن مخالف کو زیرِ کرنے کے لیے اس کا بڑا مقصد مناظرہ جیتنا اور اپنے آپ کو عالم ثابت کرنا ہو گا اور اس کام کے لیے وہ ہر قسم کے جائز یا ناجائز طریقوں کا استعمال بھی کرے گا۔ اب جس طرح ایک مناظر اپنے مخالف فرقے کے علما کی کتابیں پڑھتا ہے۔ اسی طرح ایک اچھا خطیب بننے کے لیے آپ کو اپنے دوسرے مخالف فرقوں کے علما سے بھی علم لینا پڑے گا۔ ان کی جو بات آپ کو اچھی لگے اسے حاصل کر لیں اور جو عقیدہ یا بات آپ کو پسند نہ آئے اسے چھوڑ دیں۔ یہ کام بہت ضروری ہے کیونکہ یہاں سے آپ کو وہ علم اور عقلی دلائل ملیں گے جو پہلے آپ کے پاس نہیں ہیں یہ کام ایک اچھے خطیب کو اپنے سامعین کے لیے کرنا ہی پڑے گا۔ مختصر طور پر صرف تین خوبیاں خطیب اپنے اندر پیدا کر لے تو وہ اچھا خطیب بن جاتا ہے:

1 مقرر نہ بنے بلکہ مبلغ بنے

2 خود متقی ہو اچھے کردار میں ایک مثال ہو۔

3 مختلف ذرائع سے زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرے پھر نئے عقلی دلائل کے ساتھ اسے مختصر بیان کرے۔

اگر خطیب میں یہ تین چیزیں ہوں تو وہ ایک اچھا خطیب و مبلغ بن سکتا ہے۔ ایک چیز اور جس کا خطیب کو علم ہونا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اس کے سامعین کس ذہن اور مزاج کے لوگ ہیں؟ ان کی خواہشات کیا ہیں؟ مجھے خطبہ کیسے دینا چاہیے؟ وغیرہ وغیرہ۔ اب یہی اس کتاب کا مین موضوع ہے اور اسے میں قدرے تفصیل سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔

سامعین کی اقسام

خطیب کے سامنے سامعین کی تقریباً پندرہ کے قریب اقسام ہوتیں ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

① مسجد میں کم وقت گزارنے والے:

سامعین میں سب سے زیادہ تعداد انہی لوگوں کی ہوتی ہے جو کہ تقریباً ۷۰ سے ۸۰ فیصد تک ہوتی ہے۔ یہ لوگ مسجد میں آخری وقت پر آتے ہیں اور نماز پڑھ کر چلے جاتے ہیں۔ یہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں اس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

1 اکثر خطبا کے اندر ایک (جاہلانہ) حرکت پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وقت کی بالکل پابندی نہیں کرتے۔ جو ٹائم انھوں نے لوگوں کو بتا رکھا ہوتا ہے اس سے ہمیشہ دس پندرہ منٹ اوپر جاتے ہیں اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ خطیب اس کام کو کوئی خامی ہی نہیں سمجھتا جب کہ لوگ اسے سخت ناپسند کرتے ہیں۔ مولوی کی یہ عادت وجہ بنتی ہے لوگوں کی خطبے میں عدم دلچسپی اور مسجد میں لیٹ آنے کی۔ میرے خیال کے مطابق اگر مسجد میں سو آدمی موجود ہوں اور خطیب صرف ایک منٹ کی تاخیر سے نماز کھڑی کرے تو اس نے ایک منٹ کی تاخیر نہیں بلکہ سو منٹ کی تاخیر کی ہے، کیونکہ اس نے سو لوگوں کا ایک ایک منٹ ضائع کیا ہے۔

2 خطیب ان کے مزاج کے مطابق بات نہیں کرتا۔

3 عام طور پر ان میں کچھ لوگ بہت مصروف ہوتے ہیں۔

4 دین کے مخصوص پانچ سات موضوع سن کر وہ اکتا چکے ہوتے ہیں۔

5 سائنسی تحقیق کے مطابق انسان زیادہ سے زیادہ پینتالیس منٹ ہی کسی خطیب کو دلچسپی سے سنتا ہے۔

6 زیادہ تر خطباء کے پاس علم اور عقلی دلائل نہیں ہوتے یعنی بہت کم ہوتے ہیں۔

حل: وقت کی پابندی پر سختی سے عمل کیا جائے۔ سامعین کے مزاج کے مطابق خطبہ تیار کریں، خطیب اپنے موضوعات میں اتنی وسعت لازمی رکھے کہ جس موضوع کو ایک بار بیان کرے اس کی دوبارہ باری کم از کم دو سال بعد آئے اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ امام کا منبر پر بیٹھنا، خطبہ دینا، نماز پڑھانا، دعا مانگنا اور سوال و جواب کے بعد اتنا ٹائم دینا کہ لوگ سنتیں پڑھ کر مسجد سے باہر نکل جائیں یہ تمام اعمال چالیس منٹ میں پورے ہو جانے چاہئیں۔

② عقل مند:

خطیب کے سامنے تقریباً پچاس فیصد ایسے لوگ ہوتے ہیں جو کہ خطیب سے زیادہ عقل مند و ذہین ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کے پاس دینی علم تو بہت ہی کم ہوتا ہے۔ البتہ دنیاوی علوم میں خطیب سے بہت آگے ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کی دو اقسام ہیں: ایک تو وہ ہیں جو کہ دین کے معاملے میں بہت زیادہ شکوک وشبہات رکھتے ہیں۔ ان کے شکوک وشبہات کو دور کرنا عام عالم یا مفتی کے بس کا کام نہیں بلکہ کسی بڑے مذہبی اسکالر کا کام ہے۔

ان کی دوسری قسم ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو کہ دین کے معاملے میں شکوک و شبہات کم رکھتے ہیں۔ البتہ عام خطیب کی گفتگو کا انھیں مزہ نہیں آتا ہے یہ لوگ زیادہ تر

سید ابو اعلیٰ مودودی رحمہ اللہ لیول کے اسکالرز کو ہی پڑھتے اور سنتے ہیں۔

حل: جو خطیب ان لوگوں کے اعتراضات کا اچھے عقلی دلائل کے ساتھ جواب دے سکتا ہے وہ اس دور کا اچھا خطیب ہو گا۔ اس لیول کو حاصل کرنے کے لیے خطیب کو بہت وسیع پیمانے پر علم حاصل کرنا پڑے گا۔ اور یہ تمام علوم وہ ہیں جو کہ اسے مدرسے سے نہیں ملے۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔ فرقہ پرستی کو چھوڑ کر مختلف سنئیر علما کی قرآن کی تفاسیر، حدیث کی معتبر اور بڑی کتابیں، بڑے مذاہب کی معتبر کتابیں، دین اسلام کے خلاف اور اس کے حق میں لکھی گئی وہ کتابیں جو غیر مسلموں یا نیو مسلمز نے لکھی ہیں۔ دنیا کی تاریخ، فلسفہ، عمرانیات اور سائنس کے متعلقہ کتابیں وغیرہ وغیرہ اس قسم کی کتابوں کا مطالعہ کریں یا پھر ایسے علما کو سنیں جن کے پاس یہ تمام علوم ہوں۔

مزید یہ کہ خطیب کو اپنے اور دوسرے معاشروں کے متعلق آگاہی ہو، تحقیق و تفتیش، ایجنسیوں اور پولیس کے کام کرنے کے طریقوں سے واقف ہو۔ پوری دنیا میں موجود نظام اور میڈیا کے کام کرنے کے طریقوں کو جانتا ہو وغیرہ وغیرہ۔ ان علوم کے لیے آپ روزنامہ دنیا میں موجود امیر حمزہ کے کالم پڑھیں جو کہ ہفتے میں تقریباً دو بار ہی چھپتا ہے۔ اس کے علاوہ نیشنل جیوگرافک چینل دیکھیں یا پھر ڈاکٹر ذاکر نائیک جیسے اسکالرز کو سنیں، روزانہ کی بنیاد پر اخباری کالم پڑھیں، عقل مند لوگوں کی محفلوں میں بیٹھیں اور انٹرنیٹ وغیرہ کا استعمال کریں اور دورانِ خطابت ان علوم کو عقل کے ساتھ استعمال کریں۔

یہ کام ہے تو بہت محنت طلب، البتہ اگر ان لوگوں میں سے ایک بھی شخص دین کے ساتھ جڑ جائے تو یہ دین کے لیے اتنے فائدے مند ثابت ہوتے ہیں جتنا ایک اچھا عالم۔

③ عالم لوگ:

خطیب کے سامنے تقریباً ۳ فیصد ایسے سامعین بیٹھے ہوتے ہیں جو کہ خطیب سے زیادہ دین کا علم رکھتے ہیں، اگرچہ بعض معاملات میں ہی سہی۔ وہ خطیب سے ایسی بات سنتے ہوئے اکتاہٹ محسوس کرتے ہیں جو انھوں نے پہلے پڑھ یا سن رکھی ہو۔ یہ لوگ اس خطیب کو دلچسپی سے سنتے ہیں جس سے انھیں کوئی نہ کوئی نئ علمی بات ملتی رہے۔

حل: اگر خطیب اچھی طرح خطبہ تیار کرے تو اس کے لیے کم از کم چھے گھنٹے چاہئیں اور وہ بھی اکٹھے نہ ہوں بلکہ روزانہ کا ایک ایک گھنٹہ ہو۔ پھر تیاری کرتے وقت اپنے فرقے سے باہر نکل کر پہلے قرآن و حدیث اور اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، معتبر ائمہ کرام اور موجودہ دور کے یونیورسٹی سے پڑھے جدید مذہبی اسکالرز سے استفادہ کرے۔ اگر اپنے فرقے سے کوئی خطیب باہر نہ نکلے تو وہ کبھی بھی نئ علمی بات پیش نہیں کر سکے گا۔ مزید یہ کہ ایسی کتابوں کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے جس سے آپ کی خطابت کی علمی استطاعت میں اضافہ ہو۔ جیسے ایک کتاب ہے: ''درسِ قرآن کیسے دیں؟'' اس کتاب کے مصنف ہیں: خرم مراد۔ یہ کتاب اور اس جیسی دوسری کتابیں پڑھیں۔

④ اَن پڑھ:

اس وقت خطیب کے سامنے تقریباً تیس فیصد ایسے لوگ بیٹھے ہوتے ہیں جو کہ اَن پڑھ و کم عقل ہوتے ہیں اور ان کا حافظہ بھی کمزور ہوتا ہے۔ یہ لوگ بنیادی اور ضروری مسئلے پوچھنا چاہتے ہیں، مگر جھجک کی وجہ سے نہیں پوچھتے۔ یہ لوگ سادہ طرز کی علمی بات اور واقعات میں دلچسپی لیتے ہیں۔

حل: ہر سال شرح خواندگی میں اضافہ ہو رہا ہے، لہٰذا آنے والے وقت میں

ان لوگوں کی تعداد کم ہو جائے گی۔ ہر دوسرے تیسرے جمعے میں خطیب کو چاہیے کہ ان کی خواہش کو پورا کرے یعنی کبھی کوئی واقعہ بیان کر دے اور کسی جمعہ میں کسی ایک معاملے کے بنیادی اور ضروری مسائل بیان کر دے۔ مثلاً: غسل کا طریقہ، وضو کا طریقہ دین اسلام میں پائے جانے والی آسانیاں وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ مسائل ایک دو منٹ میں مختصر طور پر بیان کریں اور اس کے لیے بہتر وقت خطبے کے آخر میں ہے۔ پیچیدہ اور باریک بینی والے مسائل سے یہ لوگ اکتاہٹ محسوس کرتے ہیں۔

⑤ متقی:

ہمارے معاشرے میں اس وقت تقریباً دس فیصد لوگ نمازی ہیں ان میں تقریباً تین فیصد ایسے لوگ ہیں جو کہ متقی ہیں یہ لوگ عام طور پر جمعے کے دن مسجد میں بہت پہلے آتے ہیں تاکہ زیادہ ثواب حاصل کر سکیں۔ یہ لوگ ایسے خطیب کو پسند کرتے ہیں جسے سن کر ان کے تقویٰ میں اضافہ ہو، نیک اعمال کی طرف رغبت بڑھے، گناہوں میں کمی واقعہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت ملنے کی امید میں اضافہ ہو۔

حل: خطیب کو چاہیے کہ ہر دوسرے تیسرے جمعے میں ان کے مطابق خطبہ تیار کرے۔ قیامت کی ہولناکیاں، عذابِ قبر، جہنم کی سختیاں اور موت کی یاد دہانی والی آیات و احادیث ان لوگوں کو تقویٰ میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ خطیب کو چاہیے کہ ان موضوعات میں سے کسی بھی موضوع پر مکمل جمعہ نہ پڑھائے۔ بلکہ ان چیزوں کا باری باری اپنے خطبے میں تذکرہ کرے۔ پھر تذکرہ بھی ایسے کرے کہ لوگ یہ محسوس نہ کریں کہ یہ باتیں تو ہم پہلے بھی سن چکے ہیں یعنی جب بھی آپ اپنے بیان کردہ موضوع کو دوبارہ بیان کریں تو ہر بار علیحدہ الفاظ اور علیحدہ زاویے سے موضوع کو

لوگوں کے سامنے پیش کریں۔ پھر جب بھی خطیب لوگوں میں اللہ تعالیٰ کا ڈر و خوف پیدا کرنے والی آیات کا ذکر کرے تو تھوڑا سا ذکر ان آیات کا بھی دے جن سے ان کے نیک اعمال کی وجہ بخشش کی امید میں بھی اضافہ ہو۔

⑥ مولویوں کے مخالف لوگ:

خطیب کے سامنے تقریباً دس فیصد ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جو کہ مولویوں سے نفرت کرتے ہیں۔ یہ جو دس فیصد لوگ مسجد میں موجود ہوتے ہیں یہ ان کی آدھی تعداد ہے جب کہ باقی آدھی تعداد جمعہ پڑھنے آتی ہی نہیں۔ یہ لوگ مولویوں سے ان کی کچھ خامیوں کی وجہ سے نفرت کرتے ہیں، مثلاً مولویوں کا فرقہ واریت پر مبنی گفتگو کرنا، ان کے قول و فعل میں تضاد ہونا، ان کا بے عقل اور لالچی ہونا وغیرہ وغیرہ۔

حل: قرآن و حدیث کا مطالعہ کریں اس پر تدبر و تحقیق کریں اپنے اندر تقویٰ پیدا کریں، بیوقوفوں کی غلطی اور سمجھ دار لوگوں کی تحقیق سے عقل حاصل کریں۔ اس سے اوپر بیان کی گئی خرابیاں خود ہی ختم ہو جائیں گی۔ مزید یہ کہ اپنی تعریف بیان کرنے سے مکمل پرہیز کریں اور اگر خطیب کے مالی معاملات ٹھیک ہوں تو اپنے مقتدیوں کو کبھی کبھار کھانا بھی کھلائے۔

⑦ فرقہ وارانہ معاملات:

اس معاملے میں خطیب کے سامنے چار مختلف ذہن رکھنے والے لوگ بیٹھے ہوتے ہیں اور ان کی مختلف ڈیمانڈز ہوتیں ہیں۔ یہ لوگ درج ذیل ہیں:

1. خطیب کے سامنے تقریباً بیس فیصد ایسے لوگ بیٹھے ہوتے ہیں جو کہ فرقہ وارانہ گفتگو کو بالکل پسند نہیں کرتے ہیں۔
2. خطیب کے سامنے دو فیصد ایسے لوگ ہوتے ہیں جو خود فرقوں پر تحقیق کا ارادہ

رکھتے ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ اس تحقیق کو کیسے اور کہاں سے شروع کریں۔

3 خطیب کے سامنے تقریباً دو فیصد ایسے لوگ ہوتے ہیں جنھوں نے تحقیق کے بعد فرقے کا انتخاب کیا ہوتا ہے اور اسی تحقیق کی وجہ سے وہ اپنے فرقے کی محبت میں سخت گرفتار ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے فرقے کی تبلیغ کو بہت پسند کرتے ہیں۔

4 خطیب کے سامنے دس فیصد ایسے لوگ بیٹھے ہوتے ہیں جو کہ اپنے مخالف فرقوں کی برائی سننا پسند کرتے ہیں۔

حل: یہاں خطیب کو چار متضاد سوچ رکھنے والے لوگوں کو ڈیل کرنا ہوتا ہے۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔ البتہ اگر درج ذیل باتوں پر عمل کر لیا جائے تو کافی حد تک معاملہ ٹھیک ہو جاتا ہے:

1 حقیقت تو یہی ہے کہ قرآن و حدیث کے مطابق فرقوں میں پڑنا کبیرہ گناہ ہے۔ اس لیے خطیب خود فرقہ پرستی سے بچتے ہوئے تحقیق کرے اور اپنے سامعین کو بھی تحقیق کی طرف ہی رغبت دلائے۔ یہ بات حق بھی ہے، تمام سامعین کو پسند بھی آئے گی اور کوئی اعتراض کرنے والا اعتراض بھی نہ کر سکے گا۔

2 خطیب اپنی تقریر کی ہر بات قرآن و حدیث کے حوالے کے ساتھ بیان کرے یعنی قرآن کی سورت و آیت کا نمبر بتائے اور حدیث کو بیان کرتے وقت حدیث کی کتاب، حدیث کا نمبر اور حدیث کے قابلِ قبول ہونے یعنی اس کے صحیح یا حسن ہونے کا حوالہ بیان کرے۔ ایسا کرنے سے سامعین کا خطیب پر اعتماد بڑھے گا، خطیب کی عزت میں اضافہ ہوگا اور سامعین کی تعداد میں بھی اضافہ ہوگا۔

3 جو سامعین اپنے فرقے کی تعریف سننا چاہتے ہیں ان کے لیے خطیب کو چاہیے کہ پانچ، چھے جمعوں میں ایک بار چار پانچ فقرات میں تعریف کرے لیکن یہ تعریف تحقیق شدہ ہو اور سچائی پر مبنی ہو سنی سنائی بات نہ ہو۔

4 جو سامعین اپنے مخالف فرقے کی برائی سننا چاہتے ہیں اس کے لیے خطیب کو چاہیے کہ صرف ایک ہی فرقے کی برائی بیان کرے۔فرقہ ایسا ہونا چاہیے جس سے دین اسلام کو زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، جس میں سخت فرقہ پرستی ہو۔ پھر جب خطیب فرقے کی برائی بیان کرے تو ان دو چار بنیادی عقائد کی برائی بیان کرے جن کی بنیاد پر وہ فرقہ بنا ہے یا قائم ہے۔ پھر یہ کام پانچ سات جمعوں میں ایک بار ہی کریں۔ دو چار فقرات میں مضبوط دلائل کے ساتھ کریں، اور وہ بھی تب جب یہ غیر قانونی نہ ہو۔

5 جو سامعین فرقہ پرستی کو بُرا سمجھتے ہیں وہی لوگ بہتر ہیں، لہٰذا خطیب اس موضوع کو پیچھے بیان کیے گئے موضوعات سے زیادہ بیان کرے۔اگر کوئی خطیب صرف اور صرف قرآن و حدیث ہی سے اپنا خطبہ تیار کرے تو وہ فرقہ پرستی سے بھی بچ جائے گا اور ان متضاد خواہشات رکھنے والے سامعین کے مزاج پر بھی پورا اتر جائے گا۔

نوٹ: اگرچہ میں نے سامعین کے مزاج کو سامنے رکھتے ہوئے یہ باتیں بیان کی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ فرقہ بندی میں اتنی بڑی خرابی ہے کہ ایک طرف تو اس نے مسلمانوں کی جماعت کو پارہ پارہ کر رکھا ہے اور دوسری طرف فرقہ بندی میں مبتلا شخص کبھی بھی اخلاص کے ساتھ دین اسلام کی تبلیغ نہیں کر سکتا۔ وہ جب بھی کسی مسلمان کو دین کی تبلیغ کرے گا تو اس میں لازمی طور پر فرقہ بندی کا عنصر شامل ہو گا اس بات کو پرکھنے کے لیے اسے صرف اپنی تبلیغ اور نیت پر اخلاص کے ساتھ غور کرنا ہو گا۔

⑧ نبی اکرم ﷺ سے محبت رکھنے والے:

اگرچہ ہر شخص اپنے نبی اکرم ﷺ سے محبت رکھتا ہے۔مگر یہاں میری مراد ان

لوگوں سے ہے جو اعمال کی طرف کم توجہ دیتے ہیں۔ یہ لوگ نبی اکرم ﷺ کی شان، ان کے معجزات اور شفاعت کے متعلق ہی کثرت سے سننا چاہتے ہیں۔ سامعین میں ان کی تعداد تقریباً بیس فیصد ہوتی ہے۔

حل: خطیب کو یہ موضوع وقتاً فوقتاً بیان کرتے رہنا چاہیے۔مگر پانچ سات فقرات کی حد تک رکھے۔ اگر ان معاملات کو ایک موضوع کے طور پر خطیب بیان کرے گا تو پھر سامعین کو بار بار ایک ہی طرح کی باتیں سننے کو ملتی رہیں گی۔ جس سے بعض سامعین میں اکتاہٹ پیدا ہوتی ہے۔

⑨ خطبے وتقریر سے دلچسپی رکھنے والے لوگ:

کچھ سامعین جمعے کو علم حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں کی سوچ تو اچھی ہے۔ البتہ معاملہ خطیب کے علم کا ہے اگر خطیب کے پاس زیادہ علم ہو گا تو ان لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گی اگر خطیب کے پاس کم علم ہو گا تو ان لوگوں کی تعداد بھی کم ہو گی۔

حل: پیچھے بیان کیے گئے طریقوں کے ذریعے خطیب اپنے علم میں وسعت پیدا کرے پھر اس علم کو ہر خطبے میں ایسی ترتیب سے بیان کرے کہ سامعین خواہ ان پڑھ ہوں یا پڑھے لکھے ہر جمعہ اس کے علم میں اضافے کا باعث بنے۔ اس معاملے میں سوال و جواب اور مشورے کا سیشن سب سے زیادہ فائدے مند ثابت ہو گا۔ مزید ان لوگوں میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے یہ کریں کہ مسجد میں ایک وائٹ بورڈ ایسی جگہ پر آویزاں کریں جس پر جمعہ کے لیے آنے والے ہر شخص کی مسلسل نظر پڑتی رہے میرے خیال میں یہ جگہ خطیب کے چہرے کے قریب والی دیوار ہے۔ اس وائٹ بورڈ کو دو حصوں میں لکیر لگا کر تقسیم کریں ایک طرف موجودہ جمعے کا موضوع تحریر کریں تاکہ مسجد میں لیٹ آنے والے لوگ بھی خطیب کی بات آسانی سے سمجھ لیں اور

دوسرے حصے پر اگلے جمع کا موضوع تحریر کریں اور اس کے نیچے تین چار سوالیہ انداز کی ایسی ہیڈ لائنز تحریر کریں کہ جنھیں پڑھ کر سامعین یہ محسوس کریں کہ اگلے جمعہ میں وہ علمی گفتگو ہونے والی ہے جو کہ ہم نہیں جانتے، لہٰذا اگلے جمعہ میں ہم نے جلدی مسجد آنا ہے۔ ان ہیڈ لائنز کو آپ نے اپنی عقل سے ہی بہتر طور پر تحریر کرنا ہے۔ اس معاملے میں میں تو آپ کی راہنمائی کے لیے یہی کہہ سکتا ہوں کہ میری اب تک کی لکھی جانے والی کتابوں کے ٹائٹل پڑھ لیں وہ میں نے اسی مقصد کے لیے تحریر کیے ہیں۔

⑩ عورتیں:

عورتیں بھی خطیب کو سن رہی ہوتیں ہیں۔ لہٰذا ان کی بھی اس معاملے میں کوئی پسند یا نہ پسند ہو سکتی ہے۔ عام معاملات میں تو عورت نیت وطبیعت کے لحاظ سے دوسری عورت سے کوئی خاص فرق نہیں رکھتی، البتہ خطیب کے معاملے میں مردوں کی طرح ان کی بھی کوئی نہ کوئی چوائس تو ضرور ہو گی۔ میرے خیال کے مطابق اس معاملے میں عورت چار اقسام رکھتی ہے:

1. اَن پڑھ عورت۔
2. کالج پڑھی عورت۔
3. مدرسہ پڑھی عورت
4. پچاس سال سے اوپر کی بوڑھی عورت

بوڑھی عورت جو معاشرتی تجربہ رکھتی ہے۔ جو خطیب ان چار اقسام کی عورتوں کے مزاج کے مطابق تبلیغ کر لے وہ عورتوں میں اچھا خطیب ثابت ہو گا۔

حل: خطیب کے معاملے میں، میں عورتوں کے مزاج کو زیادہ نہیں جانتا، البتہ جو خطیب پیچھے بیان کی گئی باتوں پر عمل کر لے گا وہ مرد وعورت دونوں کے معیار پر پورا اتر جائے گا۔ اور اگر آپ کو اس معاملے میں مزید راہنمائی چاہیے تو دو کام کریں۔

1. میں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے: ''عورت کو سمجھیں'' یہ انٹرنیٹ پر درج ذیل ایڈریس پر موجود ہے اسے پڑھ لیں۔

https://archive.org/details/aorat-ko-samjhain/page/n66/mode/1up

2. خطیب ان چاروں اقسام کی عورتوں سے رائے لے یا پھر سوال و جواب والے سیشن میں عورتوں کے سوالات پر غور کر کے ان کے مزاج کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

عام طور پر عورتیں ایسے خطیب کو پسند کرتیں ہیں جسے سن کر ان میں دین پر عمل کرنے کی خواہش پیدا ہو اور وہ کبیرہ گناہوں سے بچیں۔

نوٹ: درج ذیل کاموں سے خطیب پرہیز کرئے راگ لگا کر تقریر کرنا، جذباتی ہو کر تقریر کرنا، دورانِ تقریر اپنے آپ کو بہت بڑا عالم شو کروانے کی کوشش کرنا، نماز جمعہ کو بہت لمبی قراءت کے ساتھ پڑھانا، تقریر یا دعا کے دوران رونا، دعا کو بہت لمبا کرنا، دوران تقریر ایک ہی بات کو دہرانا، چھوٹے اور باریک بینی والے مسائل کو بیان کرنا وغیرہ وغیرہ۔

مسجد انتظامیہ

مسجدوں میں لوگوں کے لیٹ آنے کی ایک وجہ مسجد انتظامیہ ہوتی ہے۔ چھوٹی مساجد میں تو امام و خطیب ہی مسجد انتظامیہ ہوتے ہیں، البتہ بڑی مساجد میں علیحدہ سے انتظامیہ ہوتی ہے۔ جو لوگ مسجد انتظامیہ کی وجہ سے لیٹ آتے ہیں ان کی سب سے بڑی اور اہم وجہ تو یہ ہوتی ہے کہ اسپیکر کی سیٹنگ ٹھیک نہیں ہوتی، مثلاً آواز زیادہ ہوتی ہے، آواز گونجتی ہے، ایکو اور ڈبلنگ ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ یہ چیزیں لوگوں کے سر درد کا باعث بنتی ہیں اور ان چیزوں کی وجہ سے خطیب کی بات بھی سامعین کی سمجھ میں نہیں آتی۔ جب کہ خطیب کو ان چیزوں سے لگاؤ ہوتا ہے۔ البتہ تین کام ایسے ہیں

جو کہ مسجد انتظامیہ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور عام آدمی ان کاموں کا اثر لیتے ہیں:

1 اسپیکر کی آواز کم ہو اور سیٹنگ درست ہو۔

2 مسجد کی صفائی اچھی ہو اور مسجد میں آنے والوں کے لیے موسم کے حساب کچھ سہولتیں ہوں۔

3 مسجد انتظامیہ خطیب اچھا رکھے یعنی متقی ہو، وسیع لیول پر دینی و دنیاوی علم رکھتا ہو، مدرسہ و کالج دونوں پڑھا ہو وغیرہ۔

یہ کام کرنے سے ان شاء اللہ العزیز مسجد میں لوگوں کی تعداد بڑھے گی اور لوگ جمعے کے دن وقت پر مسجد میں آئیں گے۔

خلاصۂ کلام

مختصر طور پر اگر بات کی جائے تو یہ ہے کہ دین، خطیب، مسجد اور سامعین سب فائدے میں رہیں گے اگر چند درج ذیل کام کر لیے جائیں:

1. ہر مسجد مدرسہ ہو، اس میں مقامی طالب علم پڑھیں۔ اس کی ٹائمنگ سکول کی طرز پر ہو۔
2. میٹرک پاس طلبا و طالبات کے لیے ایک دو سال کا مختصر مگر علمی لحاظ سے جامع نصاب پر مشتمل کورس تیار کریں۔
3. خطیب فرقہ پرستی کو چھوڑ کر بڑے علمائے کرام سے استفادہ کرے اور چند ضروری و دنیاوی علوم بھی حاصل کرے۔
4. خطیب کم از کم چھے گھنٹوں کی تیاری کے ساتھ ایک گھنٹے کا خطبہ تیار کرے پھر اس کی کانٹ چھانٹ کر کے آدھے گھنٹے کا کرے اس طرح کرنے سے مختصر الفاظ میں جامع خطبہ تیار ہو جائے گا۔
5. اپنے خطبے کو قرآن و حدیث، صحابہ کے قول و افعال، معتبر ائمہ کرام اور موجودہ دور کے یونیورسٹی سے فارغ ہونے والے مذہبی اسکالرز کے علوم سے خوبصورت بنائیں۔
6. عقل مند لوگوں کے ذریعے اپنے معاشرے اور مسجد کے ماحول کو سمجھیں۔
7. مقرر نہ بنیں اور دین کی تبلیغ کے لیے علم و عقل سے کام لیں اس کے لیے آپ

میری کتاب ''عقل سے ایمان، ایمان سے عمل تک'' کا مطالعہ کریں۔

8 خطیب آٹھ دس پیچیدہ قسم کی آیات و احادیث سامعین کے سامنے بیان کرنے سے اجتناب کرے، مثلاً: نبی اکرم ﷺ کا ایک پاؤ پانی سے وضو کرنا یا ایک کلو پانی سے غسل کرنے اور سورج کو ستر ہزار فرشتے کھینچ کر مشرق سے مغرب کی طرف لاتے ہیں وغیرہ وغیرہ اور اگر سامعین میں سے کوئی سوال کر کے اس قسم کی حدیث کے متعلق پوچھ لے تو اسے مدلل جواب دیں۔ اس کے لیے خطیب کو مولانا مودودی صاحب رحمہ اللہ کی تین کتابوں کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے:

1 تفہیم القرآن
2 تفہیم حدیث
3 سنت کی آئینی حیثیت۔

9 جب بھی کوئی خطیب کسی عمل کی تبلیغ کرے تو وہ اس عمل کو اس طریقے سے لوگوں کے سامنے پیش کرے کہ لوگ اس عمل کو کرنا انتہائی آسان سمجھیں۔ اس کے لیے خطیب دین میں پائے جانے والی آسانیاں اور اس عمل کے متعلق آسانیوں کو لوگوں کے سامنے تفصیل سے بیان کرے۔ صرف عمل کی اہمیت بتانے سے تبلیغ کا حق صحیح طرح سے ادا نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمارے خطباء کے علم و عقل میں اضافہ فرمائے، انھیں تقویٰ عطا فرمائے۔ ان کے مال و جان میں برکت عطا فرمائے اور انھیں فرقہ پرستی جیسے کبیرہ گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

صرف نیوشادی شدہ افراد کے لیے

عورت کو سمجھیں

اور حاصل کریں

- گھر کے لڑائی جھگڑوں میں کمی۔
- منی ریاست کا اقتدار اور کنٹرول۔
- دنیاوی معاملات کے متعلق چوتھا ضروری علم۔
- اور عورت کے ان بائیس ہتھیاروں کا علم جن کے ذریعے وہ مرد کو بے وقوف بنا کر اس پر غلبہ پاتی ہے۔

تالیف

ندیم اسلم

اس کتاب کو پڑھنے کے لیے درج ذیل نیٹ ایڈریس پر جائیں:

---

https://archive.org/details/aorat-ko-samjhain/page/n66/mode/1up

مسالک کی تحقیق 70 منٹ میں

تحریر رانا محمد ندیم اسلم

دین ہے اس کا جس کا اس پر عمل ہوا
مسلک ہے اس کا جس کا تحقیق سے چنا ہوا
وہ ہر عمل مردود ہے کہ جس کا علم نہ ہوا
وہ ہر علم مردود ہے کہ جس پہ عمل نہ ہوا
بحث بہت بری ہے اگر اس سے حاصل مقصود ضد ہوا
بحث بہت اچھی ہے اگر اس سے حاصل مقصود علم ہوا
یہ صحیفہ ان شاء اللہ فائدہ دے گا ہر خریدار کو مگر
سیاسی، مذہبی شخصیات، میڈیا اینکرز، جج اور وکلاء کے لیے بہت اہم ہوا

Know more sectaranism

عقلی دلائل کے ساتھ دینِ اسلام کی تبلیغ کرنے والوں کے لیے ایک خاص تحفہ

عقل سے ایمان
ایمان سے عمل تک

اس کتاب میں واقعہ بھی ہے ایک ایسے شخص کے قبولِ اسلام کا۔

- جو نہ اللہ کو مانتا تھا، نہ آخرت کو اور نہ کسی دین کو۔
- جو دین کے ہر عقائد و اعمال کو عقل سے پرکھتا تھا۔
- جو دینِ اسلام پر سو سے زائد اعتراضات رکھتا تھا۔
- جو مقلد تھا اقوام یورپ اور سائنس کا۔
- مگر پھر سائنس ہی وجہ بنی اس کے قبولِ اسلام کی۔

تالیف

ندیم اسلم

اس کتاب کو پڑھنے کے لیے درج ذیل نیٹ ایڈریس پر جائیں:

https://archive.org/details/aqal-se-iman_202006